قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر

از جناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم۔اے (عثمانیہ)

(۴)

ایک بڑے فتنہ کا سدباب | بنی اُمیہ نے اسلامی حکومت پر قبضہ کرکے جب خلافت کو سلطنت کی شکل میں بدل دیا اور روم و ایران کے حکمرانوں کو نمونہ بنا کر حکومت کرنے لگے تو مسلمانوں میں قدرتاً جیسا کہ چاہیئے تھا بے چینی پیدا ہوئی اور اس نے ایک عام کشمکش کی شکل حکومت اور عوام کے درمیان پیدا کردی اس کشمکش کے دبانے کے سلسلے میں جو بے پناہ مظالم بنی اُمیہ کے حکمرانوں کی طرف سے مسلمانوں پر توڑے گئے ان کے لئے صرف ایک حجاج ہی کا نام کافی ہوسکتا ہے جس نے ایک لاکھ سے اوپر مسلمانوں کو صبراً دساً منے باندھ کر قتل کروایا۔ اسی کشمکش کے سلسلہ میں لعنت و ملامت کا قصہ جب دراز ہوا تو بنی اُمیہ سے آگے بڑھ کر بعض خفیف العقل گرم مزاج لوگوں کی زبانیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کھلنے لگیں کیونکہ بنی اُمیہ والے آپ کے نام اور خاندانی تعلق سے ناجائز نفع اُٹھاتے تھے مسلمانوں پر احسان جتلاتے تھے کہ ہمارے خاندان ہی نے تمہارے قرآن کو محفوظ کردیا ورنہ تمہارے مذہب کی بنیاد ہی ختم ہوجاتی اور اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی اسی قرآنی خدمت کی طرف تھا۔

عبدالملک ابن مروان برسر منبر مسلمانوں سے کہتا

علیکم بمصحف امامکم المظلوم[۱] مسلمانو! اپنے مظلوم امام و خلیفہ (یعنی عثمان) کے

---

[۱] طبقات ابن سعد ذکر عبدالملک ۱۲۔

مصحف کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو

ظاہر ہے کہ قرآن جو نہ بے چارے حضرت عثمان پر نازل ہوا تھا۔ نہ انھوں نے اس کو ابتداءً لکھوایا تھا حتی کہ ایک جلد میں تمام سورتوں کو مجلد کرانے کا کام بھی ان کی حکومت کی طرف سے نہیں انجام پایا تھا البتہ آخر میں بجائے مختلف لہجوں کے کتابت کی حد تک مسلمانوں کو ایک ہی نسخہ پر جمع کرنے کا انتظام اپنی حکومت کی طرف سے کر دیا تھا محض اس لئے اس قرآن کو جس کو اللہ نے نازل کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا امام مظلوم کا مصحف اور قرآن قرار دیا۔ مسلمانوں کو یہ ہم کر دینے کے لئے کافی تھا ردعمل آخر اس کا اس شکل میں ہوا کہ حضرت عثمان کی قرآنی خدمت کی اہمیت لوگ گھٹانے لگے اور فریق مخالف میں جو زیادہ تند خو، گرم مزاج تھے وہ حضرت عثمان پر الٹ کر طرح طرح کے الزامات بھی تھوپنے لگے اور جو قرآن خالق عالم کی طرف سے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سارے جہان کے انسانوں کے لئے اترا تھا اس کا نام ہی ان لوگوں نے "مصاحف عثمانی" العیاذ باللہ رکھ دیا اور سچ پوچھئے تو بنی امیہ کے اسی طرز عمل کی مخالفت میں بعض نا عاقبت اندیش لوگوں نے مسلمانوں میں بعض جعلی بے سروپا روایتیں خود ہی گھڑ گھڑ کر پھیلا دیں اور ان میں جو چالاک تھے جانتے تھے کہ جعلی روایتوں کا پردہ چاک ہو جائے گا انھوں نے بعض صحیح اور ثابت روایتوں کو غلط مقصد کے لئے استعمال کیا ان لوگوں کی یہ دوسری تدبیر زیادہ کارگر ثابت ہوئی اچھے اچھے لوگ ان مغالطوں کے شکار ہو گئے میں چاہتا ہوں کہ ان روایتوں پر ایک اجمالی تبصرہ کروں۔

سہولت کے لئے روایات کے اس ذخیرہ کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک حصہ تو صرف خود تراشیدہ فرضی روایات کا ہے ہم ان کی تعبیر مضحکات سے کریں گے کیونکہ ان کو سن کر کوئی شخص اپنی ہنسی مشکل ہی سے ضبط کر سکتا ہے اور جن صحیح روایات سے ناجائز نفع اٹھاتے ہوئے مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی۔ ان کو ہم "مغالطات" کے عنوان کے نیچے درج کریں گے۔

مضحکات[1] کہا جاتا ہے کہ قرآنی آیت "قفوھم انھم مسئولون" کے آخر میں "من ولایۃ علی" کے الفاظ تھے جنہیں عہدِ عثمانی میں قصداً قرآن سے خارج کر دیا گیا یعنی قرآن میں یہ لکھا ہوا تھا کہ میدانِ حشر میں لوگوں کو کھڑا کرکے علی کی ولایت کے متعلق پوچھا جائے گا۔

۲۔ اسی طرح کوئی صاحب محمد بن جہم الہلالی تھے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کرکے انھوں نے یہ مشہور کیا کہ قرآنی آیت "امۃ ھی اربیٰ من امۃ" میں تحریف کی گئی ہے اصلی الفاظ "ائمتنا ھی ازکی من ائمتکم"[1] تھے۔

۳۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ قرآن میں قبیلۂ قریش کے ستر نام بقید نسب موجود تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب کو ساقط فرما دیا۔

۴۔ اسی طرح "کفی اللہ المؤمنین القتال" کی آیت میں کہتے ہیں کہ علی ابن طالب کے الفاظ بھی تھے[2]۔ اسی قسم کی بیسیوں خرافات اس طبقہ کی طرف سے پھیلائی گئیں اگر مسلمانوں کے پاس روایتوں کے جانچنے کا خاص طریقہ راویوں کی تحقیق کے متعلق نہ ہوتا تو ان جھوٹی قطعاً جعلی روایتوں کے متعلق بے بنیاد اور محض گپ ہونے کا فیصلہ آسان نہ ہوتا ان لوگوں نے حد کر دی کہ الفاظ ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ سورہ ولایت کے نام سے ایک مستقل سورت ہی قرآن میں تھی جس میں اہل بیت کے اسماء اور ان کے حقوق وغیرہ کا تفصیلی ذکر تھا حضرت عثمان نے اس پوری سورت ہی کو حذف کر دیا بہرحال اس شیعی عالم نے جس کا پہلے بھی میں نے ذکر کیا ہے یعنی علامہ طبرسی نے ان ساری گپوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[1] ہمارے بنی ہاشم کے ائمہ وحکمران بنی امیہ کے حکمرانوں سے بہتر ہیں ۱۲ [2] جس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ کے لئے خدا اور علی مسلمانوں کی طرف سے کافی ہو گئے۔

الزیادۃ فی القرآن مجمع علیٰ بطلانہا	قرآن میں غیر قرآنی عنصر کا اضافہ یہ مسئلہ تو اجماعی واتفاقی
واما النقصان فقد روی عن قوم	ہے (شیعوں اور سنیوں دونوں کا ہے) کہ ایسا نہیں
من اصحابنا وعن قوم من حشویۃ العامۃ	ہوا باقی کمی (یعنی قرآن کی کچھ آیتیں حذف ہوگئیں) سو
والصحیح خلاف ذلک	ہمارے ہاں کے بعض لوگ (یعنی بعض شیعی مسلک رکھنے
اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ	والے) اور عامہ یعنی سنیوں کے بعض حشویے سے اس کا دعویٰ
	منقول ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ بھی غلط ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ "ان علینا جمعہ" کی ذمہ داری جب خود خدا لے چکا ہے اور بالاتفاق شیعہ وسنی دونوں کے نزدیک یہ قرآن کی آیت ہے تو قرآن سے کسی چیز کے نکل جانے کے دعوے کے بعد آدمی مسلمان ہی کب باقی رہتا ہے بقول شیعی عالم علامہ طبرسی تواتر و توارث کی جس راہ سے قرآن مجید منتقل ہوتا ہوا چلا آرہا ہے اس کا مقابلہ بھلا یہ خود تراشیدہ افسانے کہاں تک کر سکتے ہیں۔

مغالطات | رہا روایتوں کا دوسرا حصہ جنہیں میں مغالطات کہتا ہوں دراصل انہیں کی طرف طبرسی نے اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ عامہ کے حشویہ یعنی اہل سنت کے محدثین میں بھی نقص کی بعض روایتیں پائی جاتی ہیں یعنی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں جو پہلے قرآن میں شریک تھیں بعد کو حذف ہوگئیں لیکن ابھی آپ کو معلوم ہوگا کہ بجائے خود یہ روایتیں غلط نہیں ہیں بلکہ ان سے جو نتیجہ پیدا کیا گیا وہ بدنیتی یا کم از کم غلط فہمی پر ضرور مبنی ہے بقدر ضرورت ان میں جو چیزیں قابل ذکر ہیں ان کا قصہ بھی سن لیجئے۔

اس سلسلہ میں مختلف نوعیت کی روایتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) بعض روایتوں میں کسی غیر قرآنی حکم کا ذکر کرتے ہوئے اس قسم کے الفاظ یعنی

۱؎ مقدمہ روح المعانی ص ۲۳ مضحکات میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے روح المعانی کے مقدمہ سے ماخوذ ہے۔

فی ما انزل من القرآن

یہ اسی سلسلہ اور راہ کی چیز ہے جس راہ سے قرآن نازل ہوا

جیسے الفاظ راوی نے بڑھادے ہیں اس کی مثال رضاعت والی روایت جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے الفاظ جس کے یہ ہیں، یعنی وہ فرماتی تھیں کہ

فیما انزل من القرآن عشر رضاعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی صلی اللہ علیہ وسلم وھی فیما یقرء من القرآن

ان ہی باتوں میں جو اسی راہ سے نازل ہوئی ہیں جس راہ سے قرآن نازل ہوا، یہ حکم بھی تھا کہ دس گھونٹ یا دس دفعہ دودھ پینا حرام کردیا ہے پھر منسوخ ہوگیا یہ حکم "پانچ مقررہ گھونٹ سے" اور وفات پاگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ حکم ان ہی باتوں میں شریک تھا جن میں قرآنی حکم شریک ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ بجز بخاری کے صحاح ستہ کی عام کتابوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ فی ما انزل من القرآن یا فی ما یقرء من القرآن کے الفاظ سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ یہ قرآن کے اجزاء تھے تفصیل کا موقع نہیں مگر اجمالاً اتنی بات سے تو ہر پڑھا لکھا مسلمان واقف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو احکام و قوانین امت کو عطا کیے جاتے تھے ان میں ایک سلسلہ تو ان احکام کا تھا جن کی تعلیم حق تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام آنحضرت صلعم کو دیا کرتے تھے اور دوسرا سلسلہ احکام ہی کا ایسا بھی تھا جن میں پیغمبر خود اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے اگرچہ "اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" کے لحاظ سے ہم دونوں کو وحی ہی سمجھتے ہیں، بہرحال ظاہر ہے کہ وحی کا وہ سلسلہ جو جبریلؑ امین کی راہ سے جاری تھا وہ اپنی الگ نوعیت رکھتا تھا۔ پھر جبریل امین کی راہ سے جو چیزیں آرہی تھیں ہر ایک جانتا ہے کہ ان کی بھی دو قسمیں تھیں یعنی ایک تو قرآن اور قرآنی آیات کا سلسلہ، اور دوسرا سلسلہ جبریل امین ہی کے ذریعہ سے وہ بھی جاری تھا جو قرآن کا جز نہیں بنتا تھا گویا منطقی طور پر یوں کہہ لیجئے

کہ قرآن تو وہ ہے جو جبرئیل کے ذریعہ نازل ہوا لیکن ہر وہ چیز جو جبرئیل کے ذریعہ سے نازل ہوتی تھی اس کا قرآن ہونا ضروری نہ تھا آخر ایمان اسلام و احسان کے متعلق سوال و جواب کا قصہ بخاری وغیرہ میں ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اتاکم جبرئیل یعلمکم دینکم — تمہارے پاس جبرئیل آئے تھے تم کو تمہارا دین سکھانے کے لئے۔

ظاہر ہے کہ جبرئیل نے اس وقت جو کچھ دین کے متعلق سکھلایا تھا یقیناً وہ قرآن میں شریک نہیں کیا گیا اور یہی ایک روایت کیا اکثر چیزیں اسی قسم کی توسط جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں لیکن وہ قرآن میں شریک ہونے کے لئے نازل نہیں ہوئی تھیں اسی لئے قرآن میں شریک نہیں کی گئیں

اسی بنیاد پر فی ما انزل فی القرآن سے راوی کا مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت صلعم کے اجتہادی مسائل میں سے نہ تھا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جس راہ سے قرآن نازل ہوا ہے اسی راہ سے یہ حکم بھی اللہ تعالیٰ کے رسول تک پہنچا تھا اور یہ کہ قرآن کی جس راہ کی چیز سمجھ کر پڑھا جاتا ہے اسی راہ کی چیز یہ بھی ہے اور یہی معنی ہیں فیما یقرء من القرآن کے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ روایت وہ ہے جس میں رجم کا ذکر ہے یعنی شادی شدہ آدمی سے زنا کا صدور جب ہو تو سنگساری کا حکم اسلام میں جو دیا گیا ہے اس کے متعلق بخاری شریف میں ایک طویل حدیث اس سلسلے میں پائی جاتی ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ حج کے موسم میں حضرت عمر کو اس کی خبر ملی کہ بعض لوگ ان کی وفات کے بعد خلافت کے متعلق کچھ منصوبے پہلے سے بنا رہے ہیں اور حضرت ابوبکر کے انتخاب پر کچھ اعتراض بھی کرتے ہیں، حضرت عمر نے پہلے تو چاہا کہ حج ہی کے موقعہ پر ایک تقریر کریں لیکن بعد کو رائے بدل گئی اور مدینہ پہنچ کر آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ان ہی باتوں کا ذکر فرمایا جن

کا تذکرہ حج کے موقعہ پر کرنا چاہتے تھے، یہ بڑی طویل تقریر ہے جس میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں اسی میں ابوبکر صدیق کی خلافت کا بھی ذکر آپ نے فرمایا اور مسلمانوں کو اس کی وصیت کرتے ہوئے کہ میرا کیا ٹھکانہ ہے آج ہوں کل نہ ہوں اس لئے چند ضروری باتوں کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں، اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رجم کا قانون اگرچہ قرآن میں نہیں پایا جاتا مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ

کان مما انزل اللہ	یہ قانون بھی ان ہی باتوں میں سے ہے جنھیں اللہ نے نازل
	فرمایا۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قانون کو ہم نے سیکھا پڑھا اور یاد کیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، اسی کے بعد آپ نے زور دے کر کہا کہ قرآن میں نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ یہ خدا کے نازل فرمودہ قوانین میں نہیں ہے بلکہ یہ خدا ہی کا برحق کیا ہوا واجب قانون ہے آخر میں فرمایا کہ میں چاہتے کہ مرد ہوں یا عورت شادی شدہ ہونے کے بعد جو بھی زنا کا ارتکاب کرے اور ثابت ہو جائے تو اس کو رجم (سنگسار) کیا جائے یہ عجیب بات ہے کہ اسی کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

انا کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ ان	جس راہ کی چیز سمجھ کر کتاب اللہ (قرآن) کو ہم پڑھتے
لا ترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم ان ترغبوا	ہیں اسی سلسلے کی چیزوں میں ہم یہ بھی پڑھتے تھے کہ
عن آبائکم	اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو، کیونکہ اپنے باپوں سے
	اعراض تمہارے لئے کفر ہے۔

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تم بھی میری تعریف میں اس قسم کے اطراء اور غلو سے کام نہ لینا میں نے اس دوسری بات کو عجیب بات اس لئے کہا کہ رجم کے متعلق تو

صرف "مما انزل اللہ" حضرت عمر نے کہا تھا اگر یہ باپوں سے اعراض کرنے کے متعلق جو الفاظ آپ نے فرمائے اس میں "کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ" کے الفاظ ہیں لیکن ان الفاظ کے متعلق مسلمانوں میں اس کا کسی نے بھی چرچا نہ کیا جیسا کہ رجم والے الفاظ کے متعلق پھیلا دیا گیا کہ پہلے وہ قرآن میں موجود تھے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ قرآن سے الفاظ تو خارج کر دیے گئے لیکن قانون کو جیسا کہ سب جانتے ہیں قیامت تک کے لئے باقی رکھا گیا اور بس کرنے والوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ الفاظ کا ایک مجموعہ بھی بتایا گیا مدرسوں میں آج تک مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں قانون رجم کے متعلق یہی الفاظ تھے الفاظ کا وہ مجموعہ یہ ہے۔

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما — کوئی بڈھا اور بڈھی جب زنا کریں تو دونوں کو سنگسار کر دو۔

بعضوں میں "البتۃ" کے لفظ کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے خدا کا شکر ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں یہ الشیخ والشیخۃ والی روایت نہیں پائی جاتی بلکہ ابو داؤد۔ ترمذی وغیرہ میں بھی نہیں ہے اس روایت کے راویوں کی حالت کیا ہے اس سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے پھر بھی میں تو اس کو قرآن مجید کا گویا معجزہ ہی خیال کرتا ہوں کہ روایت کے الفاظ ہی سے اس قانون کی تردید ہو جاتی ہے جس کے لئے بتلانے والوں نے ان عجیب وغریب الفاظ کے مجموعہ کو بنایا ہے آپ سن چکے اور دنیا جانتی ہے حضرت عمر کے الفاظ ابھی گذر رہے ہیں کہ "رجم کا قانون شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے لئے ہی ہے مگر اب ذرا روایت کے ان الفاظ پر غور کیجئے الشیخ (بڈھا) الشیخۃ (بڈھی) ایسے الفاظ ہیں جن کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شادی شدہ ہوں پھر نتیجہ کیا ہوا ایسے بڈھے اور بڈھی عورت جن کی شادی نہیں ہوئی ہو ان الفاظ کی بنیاد پر چاہئے کہ ان کو زناء کے جرم میں سنگسار کر دیے جائیں اور جوان مرد اور جوان عورت شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں چونکہ الشیخ اور الشیخۃ کے الفاظ ان پر صادق نہیں آتے اس لئے رجم کا قانون ان کے لئے باقی نہ رہا اور یہی کیا رجم اس روایت کی بنا پر صرف اسی زناء سے متعلق ہوگا، جب طرفین بڈھے اور بڈھی ہوں لیکن ایک طرف

بڈھا اور دوسری طرف جوان یا بالعکس ہو تو اس پر بھی یہ قانون عائد نہ ہوگا اور سچی بات تو یہ ہے کہ شیخوخت عربی زبان میں عمر کے جس حصہ کی تعبیر ہے، یہ عمر کا وہ زمانہ ہے جس میں عموماً جنسی خواہش کا زور کم کیا بلکہ بسا اوقات مفقود بلکہ حد نفرت کو بھی پہنچ جاتا ہے جوان عورت کے ساتھ تو ممکن ہے کوئی بڈھا مشغول ہو جائے یا بالعکس میں بھی امکان ہے مگر جب دونوں پھوس بوڑھے ہوں یعنی الشیخ والشیخۃ بن چکے ہوں تو زناء کے صدور کا امکان ہی کیا باقی رہتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ سرے سے رجم کا قانون ہی غیر عملی بے کران الفاظ کی بنیاد پر رہ جاتا ہے، رجم کے قانون کو ثابت کرنے کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا جس سے اس قانون کی بنیاد ہی منہدم ہو کر رہ گئی، میں لوگوں کو کیا کہوں، بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قانون رجم کا ذکر فرماتے ہوئے صاف صاف لفظوں میں فرماتے تھے کہ

ان ازید فی کتاب اللہ — میں اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے کا فعل کر دوں گا۔

یہ بھی فرماتے کہ اس کا خطرہ اگر نہ ہوتا تو قانون کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ قرآن کے کم از کم حاشیے پر اس کو لکھ دیا جاتا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کے متعلق کہہ رہے ہوں کہ قرآن میں اس کے داخل کرنے سے اضافہ ہوگا یعنی جو چیز قرآن کا جز نہیں ہے وہ قرآن کا جز بن جائے گی مگر لوگ ہیں کہ یہی کہتے جاتے ہیں کہ قرآن ہی کا جز رجم کا قانونؔ تھا اور مغالطہ کس سے ہوا، صرف کان مما انزل اللہ کے الفاظ سے ہوا

ؔ حقیقت یہ ہے کہ جلد (تازیانہ) کی قرآنی سزا جرم زناء کے متعلق قرآن میں نازل ہو چکی تھی اور اسی بناء پر آدمی کنوارا (غیر محصن) ہی کیوں نہ ہو اگر زناء کا مجرم ہوگا جلد (تازیانے) کی سزا کا مستحق وہ ہو جاتا ہے، مگر قدرتاً یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی شدہ یعنی محصن زناء سے بچانے والی چیز یعنی بیوی رکھتے ہوئے بھی اس جرم کا اگر مجرم ہو تو اس کا جرم اس کنوارے سے یقیناً زیادہ سخت ہے جو اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے ذریعہ (بیوی) سے محروم ہے گویا شادی شدہ (محصن) صرف زناء ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ شرارت کا مرتکب ہے، اسی لئے صرف زناء کی جو سزا ہے یعنی تازیانے کی سزا سے زیادہ سخت سزا کا طالب خود اس کا جرم ہے زناء کے جرم سے زیادہ شادی شدہ آدمی کے اندر جو شرارت اور بے باکی کی کیفیت پائی جاتی ہے اسی کا اقتضاء یہ ہوا کہ اس کی سزا میں بھی سختی کا اضافہ کر دیا جائے۔ رجم اس قدرتی اقتضاء کی تکمیل

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مگر آپ دیکھ چکے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے آخر اسی روایت میں تو رغبت عن الآباء والے حکم کو بھی تو حضرت عمرؓ نے اس سے بھی زیادہ تیز تر الفاظ یعنی "کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ" کے ذریعہ اپنے مطلب کو ادا کیا ہے لیکن اس کا چرچا لوگوں نے کیوں نہیں پھیلایا بڑے بڑے مولوی بھی شاید اس کا استحضار نہ رکھتے ہوں حالانکہ اس قسم کے الفاظ کا مطلب جو کچھ ہوتا ہے حضرت عمرؓ کے بیان کے اسی حصہ سے لوگوں کو سمجھنا چاہئے تھا میں کیا عرض کروں بیر معونہ میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد [illegible] جو شہید ہوئی حدیثوں میں اس قصہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب بچارے بحالت غربت جو شہید ہوئے تو

فاخبر جبرئیل علیہ السلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہم لقوا ربہم فرضی عنہم وارضاہم

جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ حفاظ قرآن کی یہ جماعت اپنے پروردگار سے جا کر مل گئی ہیں اللہ ان سے راضی ہوا اور ان لوگوں کو خدا نے خوش کر دیا۔

روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ خود ان شہید ہونے والے حفاظ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء قتل ہونے سے پہلے کی تھی کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی جیسا کہ بخاری میں ہے فرمایا کرتے تھے کہ "رجمتہا بالسنۃ رسول اللہ" (یعنی محصن کی سزا رجم جو میں نے دی تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ قرآن کے حکم پر۔ اس کی بنیاد قائم ہے رہا یہ کہ قرآن میں خالص زناء ہی کا حکم کیوں اترا اور زناء کے جرم میں احصان کی وجہ سے جو سختی بڑھ جاتی ہے اس حکم کو رسول اللہ کی سنت کے سپرد کیوں کر دیا گیا تو ان نزاکتوں سے جو واقف ہیں اس کی مصلحت کو سمجھ سکتے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے ۱۲۔

اللّٰھم ابلغ عنّا نبیا انّا قد لقیناک فرضینا عنک ورضیت عنّا — اے اللہ ہمارے نبی کو مطلع کر دیجئے کہ آپ سے ہم مل گئے ہیں ہم آپ سے راضی اور خوش ہوتے اور آپ ہم سے راضی اور خوش ہوئے۔

اس روایت کا ذکر کر کے حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ ہم ان الفاظ کو یعنی ان شہداء کی دعاء کے ان الفاظ کو جس کی خبر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رسول اللہ کو ملی تھی کنا نقرءُ یعنی پڑھا کرتے تھے پس نقرءُ کے لفظ سے بعضوں کو مغالطہ ہوا کہ شاید یہ بھی قرآن کا جزء تھا۔ حالانکہ اب دیکھ رہے ہیں کہ اس کی توضیح بھی وہی "دیما انزل من القرآن" یا کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ" کی ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے رسول اللہ تک یہ پہنچا تھا۔

(۲) مغالطات کے سلسلہ میں میرے نزدیک ایسی روایتیں بھی شامل ہیں جن میں صحابی نے کسی قرآنی آیت کا مضمون اور مطلب اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے قرآن کی طرف اس مطلب کو منسوب کر دیا ہے ہم لوگ یعنی جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے اردو میں قرآنی آیتوں کا مطلب بیان کرتے ہیں لیکن صحابہ ظاہر ہے کہ مطلب ومعنی کو بھی عربی زبان ہی میں ادا کیا کرتے تھے بعضوں کو اسی سے مغالطہ ہو گیا کہ وہ ان تفسیری الفاظ کو بھی قرآن کا جز قرار دیتے تھے اس کی ایک اچھی مثال یہ روایت ہو سکتی ہے یعنی ایک صحابی نے بیان کیا کہ قرآن میں ہم نے پڑھا ہے کہ

لو کان لابن آدم وادیا من مال لا ابتغی الیہا ثانیا الحدیث — یعنی آدم کے بچے کے پاس ایک ندی برابر مال ہو تو چاہے گا دوسری ندی بھر بھی مال اس کو مل جائے آخر حدیث تک

اس میں شک نہیں کہ بجنسہ یہ الفاظ قرآن میں نہیں ہیں لیکن

انّ الانسان خلق ھلوعا — قطعاً انسان بڑا بے صبرا پیدا کیا گیا۔

(۱) حقیقت یہ ہے کہ "ھلوع" کا عربی لفظ جن مطالب پر مشتمل ہے "بے صبرا" کے لفظ سے وہ صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

قرآن کی مشہور آیت ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ہلوع کا مطلب وہی ہے جسے صحابی نے مذکورۂ بالا الفاظ میں ادا کیا پھر اسی مضمون کو انھوں نے قرآن کی طرف منسوب کر کے اگر بیان کیا تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ بجنسہٖ یہی الفاظ قرآن میں پائے جاتے ہیں آخر روزمرہ کی یہ بات ہے کہ عام گفتگو میں وعظوں میں تقریروں میں لوگ مضمون بیان کر کے کہتے ہیں کہ ایسا قرآن میں آیا ہے لیکن یہ کتنی بڑی حماقت ہوگی اگر سننے والا قرآنی آیت کے ماحصل مطلب کے بجنسہٖ ان ہی الفاظ کو قرآن میں تلاش کرنے لگے

(۳) مغالطہ کی اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ قرآن سناتے ہوئے بعض دفعہ صحابی بیچ میں تفسیر طلب الفاظ کی تفسیر بھی کرتے چلے جاتے تھے ہندوستانی علماء بھی بکثرت اس کام کو کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کے تفسیری الفاظ اردو میں ہوتے ہیں اس لئے سب جانتے ہیں کہ درمیان کے الفاظ قرآنی الفاظ کی تفسیر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا صحابہ کی مادری زبان بھی چونکہ وہی تھی جو قرآن کی زبان ہے اس سے بعضوں نے تفسیر کے ان عربی الفاظ سے یہ غلط نتیجہ اٹھانا چاہا اور مشہور کردیا کہ فلاں صحابی قرآن کے ان الفاظ کے بعد ان چند الفاظ کا اور اضافہ بھی کرتے تھے حضرت ابی بن کعب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی یعنی وہ سورہ "البینۃ" سنا رہے تھے، جب قرآن کے الفاظ

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین — اور نہیں حکم دیا گیا ان کو، لیکن صرف اس کا کہ پوجے

له الدین حنفاء — چلے جائیں اللہ کو دین کو اسی اللہ کے لئے خالص بنا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب تک سطر وسطر میں ان کی تشریح نہ کی جاتے اس موقع پر ایک لطیفہ کا خیال آیا کہ مولوی حرم علی بلہوری مرحوم کا ایک مشہور شعر ہے کہ "خدا فرما چکا قرآن کے اندر، مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر" ایک فقیر اسی شعر کو گا گا کر بھیک مانگ رہا تھا [illegible] بولے کہ قرآن میں یہ کہاں ہے میں نے عرض کیا کہ بھائی یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ" (اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو) اس کا مطلب یہی تو ہے مگر وہ یہی کہتے رہے "مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر" ان الفاظ کو قرآن میں بتاؤ۔ مناظر احسن ۱۲۔

بالکلیہ اسی کی طرف جھکتے ہوئے۔

پہنچے تو "مخلصین له الدین" یعنی دین کو اللہ کے لئے خالص بنانے کا مطلب سمجھانے لگے جس کا حاصل یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی مبارک، نہ اس کی خوشنودی کا حاصل کرنا ہی الدین اور مذہب کا صحیح اور خالص منشاء ہے باقی بعض لوگ جیسے رنگ نسل وطن زبان وغیرہ کو فرقہ داری دھڑا بندیوں کا آلہ بنا لیتے ہیں اسی طرح ایک طریقہ تقسیم کا کبھی دین اور مذہب کو بنا لیا جاتا ہے بجائے رضاء حق کے قومی تعمیر کا صرف ایک ذریعہ مذہب رہ جاتا ہے اس زمانے میں یہودیت نصرانیت مجوسیت وغیرہ مذاہب مرضی حق تک پہنچنے کا نہیں بلکہ قومی تشخصات کے ابھارنے کے ذرائع بنے ہوئے تھے اسی توضیحی وتفسیری مطلب کو عربی زبان میں حضرت ابی بن کعب نے ان الفاظ میں ادا کیا کہ

ان الدین عند اللہ الحنیفیۃ المسلمۃ لا الیہودیۃ ولا النصرانیۃ ولا المجوسیۃ	(دین خدا کے نزدیک وہی معتبر ہے جس میں حنفیت (یعنی خدا کی طرف یکسوئی کی گئی ہو جو حنفاء کا مطلب ہے) اور مسلم ہونا (اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دیا جائے) نہ یہودیت نہ نصرانیت نہ مجوسیت (یعنی صرف ان مذہبی اقوام کی تقسیم کا نام مذہب کو بنانا یہ دین کا مقصد نہیں ہے)

مسند احمد کے حوالہ سے جمع الفوائد میں نقل کیا ہے کہ ان الفاظ کو کہنے کے بعد

ثم ختم ما بقی من السورۃ	(یعنی ابی نے ان الفاظ کے بعد سورۃ البینۃ کو ختم کیا)

بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ درمیان کے تفسیری الفاظ کو فرمانے کے بعد حضرت ابی بن کعب نے سورہ کو ختم کیا واقعہ کی صورت کل یہی ہے آپ ہی بتائیے کہ مغالطے کے سوا اس کو اور کیا کہا جا سکتا ہے اگر حضرت ابی کے ان تفسیری الفاظ کے متعلق محض اس لئے کہ وہ عربی زبان کے الفاظ ہیں یہ وسوسہ

دلوں میں کوئی ڈالے کہ ابی بن کعب کے نزدیک قرآن ہی کے اجزاء (العیاذ باللہ) یہ الفاظ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ عربی زبان سے تھوڑا بہت بھی لگاؤ جو رکھتا ہے سننے کے ساتھ ہی سمجھ سکتا ہے۔ کہ زر لفت میں یہ ٹاٹ کا پیوند بن جائے گا، اگر خدانخواستہ حماقت سے یہ سمجھ جائے یہ قرآنی الفاظ ہیں ان ساری روایتوں کے الفاظ کا یہی حال ہے وہ خود بے چارے پکار رہے ہیں کہ قرآنی عبارت سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا،

(۳) اسی سلسلہ کی بعض غیر مستند تاریخی روایتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ

ان ابن مسعود کان ینکر کون سورۃ الفاتحۃ والمعوذتین من القرآن (تبیان الجزائری ص۹۶)	حضرت ابن مسعود صحابی سورۂ فاتحہ یعنی الحمد اور معوذتین یعنی قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق والی سورتوں کے متعلق کہتے تھے کہ یہ قرآن کے اجزا نہیں ہیں

بالفرض ابن مسعودؓ کی طرف مان لیا جائے کہ یہ انتساب صحیح بھی ہو اور قرآن میں جو تواتر کی قوت پائی جاتی ہے اس کا مقابلہ یہ تاریخی روایت فرض کر لیجئے کہ کر بھی سکتی ہو جب بھی کیا اس کا وہی مطلب ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے واقعہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ جس کا قرآنی نام السبع المثانی[1] ہے قرآن میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

ولقد اتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم	ہم نے تم کو (اے پیغمبر) سبع مثانی (یعنی سورہ فاتحہ دی) اور قرآن عظیم دیا۔

---

[1] سبع کے معنی سات ہیں اور مثانی ایسی چیز کی تعبیر ہے جو دو دو دفعہ دہرائی جائے چونکہ سورہ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس کی خواندگی کا قانونی دستور یعنی نمازیں پڑھنے کا ہی ہے کم از کم دو دفعہ دربار الٰہی میں دہرائی جائے اسی لئے بتیراء یعنی ایک رکعت کی نماز ممنوع ہے مثانی کہنے کی وجہ یہی ہے ۱۲۔

جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی حقیقت "القرآن العظیم" کے مقابلہ میں جُدا رنگ رکھتی ہے جس کی وجہ ظاہر بھی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی حیثیت درخواست کی ہے جو خدا کے دربار کی حاضری کے وقت یعنی نماز میں بندہ کی طرف سے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اور الحمد سے والناس تک اسی کا جواب دیا گیا ہے[1] ابن مسعود نے بھی اگر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمادیا ہو کہ سورۂ فاتحہ "القرآن العظیم" سے الگ حیثیت رکھتی ہے تو اس کا مطلب یہ لینا کیسے صحیح ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح نہیں ہوئی تھی جیسے باقی قرآن کی وحی ہوئی ہے

انھیں روایتوں میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے

انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ان
ان یتعوذ بھما	دونوں سے تعوذ (پناہ گیری) کا کام لیا جائے

مطلب یہ تھا کہ ان سورتوں کا نزول تعوذ (پناہ گیری) کے لئے ہوا ہے اس لئے دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ان کی جداگانہ حیثیت تھی میرے نزدیک تو ان الفاظ سے معوذتین کی اہمیت کو ابن مسعود واضح کرنا چاہتے تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی قسم کی مصیبت دنیا میں پیش ہو ان دونوں سورتوں کے مضامین پر غور کرنے سے تسلی مل جاتی ہے بہرحال اگر ان روایتوں کی تاریخی ضعف اور اسنادی کمزوریوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی ابن مسعود کے اس بیان کا یہ مطلب لینا کہ وہ ان سورتوں کو حق تعالیٰ کے فرمودہ اور نازل کردہ الفاظ نہیں سمجھتے تھے قطعاً ان پر بہتان ہیں اور بدترین قسم کی مغالطہ بازی ہے کیا کسی حیثیت سے بھی کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ کوئی اور سورہ نہیں بلکہ

---

[1] سندی حالت اس روایت کی جو کچھ ہے یہ مسئلہ اور سورہ فاتحہ و معوذتین جن خصوصی حقائق و معارف پر مشتمل ہیں حضرت الاستاذ گیلانی کی کتاب اور ان کے تفسیری محاضرات میں آپ کو اس کی پوری تفصیل مل سکتی ہے ۱۲۔

سورۂ فاتحہ جیسی سورہ جو نماز کی ہر رکعت میں دن کے پانچ وقتوں میں دہرائی جاتی ہے اسی کو سمجھتے تھے کہ قرآن کا جزء نہیں ہے۔ کچھ اسی قسم کا مغالطہ حضرت ابی بن کعب صحابی کی طرف اسی قنوت کے متعلق ہوا جس میں یہ ہے کہ ان کے قرآنی نسخہ میں وہ دونوں دعائیں جو قنوت میں عموماً پڑھی جاتی ہیں لکھی ہوئی تھیں اسی بناء پر یہ غلط فہمی پھیلانے کی بھی بعضوں نے کوشش کی کہ ان دعاؤں کو ابی بن کعب قرآن کے اندر داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے دوسری قرآنی سورتیں ہیں اسی طرح دو سورتیں قرآن کی یہ دونوں دعائیں بھی ہیں۔

آج بھی تو قرآن کے آخر میں مختلف قسم کی دعائیں خصوصاً ختم قرآن کی دعاء عموماً لکھی ہوئی رہتی ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ دعائیں قرآن میں شریک ہیں اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اہمیت کی وجہ سے ابی بن کعب نے اپنے قرآن کے آخر میں ان دونوں مسنونہ دعاؤں کو لکھ لیا ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ روایت ہی بے سر و پا ہے۔ میں نے بھی اس کا ذکر صرف تکمیل مضمون کے لئے کر دیا ورنہ یہ روایت تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ ایک سنجیدہ آدمی اس کا ذکر کرے

ایک ذیلی بحث اور خاتمہ:

مقصد یہ ہے کہ قرآن تو خیر خدا کی کتاب ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کی تصنیف کردہ کتابوں مثلاً سعدی کی گلستان ہی کو لیجئے یا اسی جیسی کوئی دوسری کتاب ان کے پڑھنے والوں کو کبھی نہیں دیکھا کہ پڑھنے سے پہلے وہ اس کی ٹوہ میں لگے ہوں کہ مصنف نے کتاب کے کس باب کو پہلے لکھا اور کس کو بعد میں یا ہر باب کی فصلوں کی عبارتوں میں کس عبارت کی یادداشت پہلے جمع ہوئی اور کس کی بعد میں بلکہ عام قاعدہ یہی ہے کہ مصنف کی طرف سے کتاب پڑھنے والوں کے سامنے جس شکل میں پیش ہوتی ہے اسی آخری شکل کو کتاب کی واقعی شکل قرار دیکر لوگ پڑھنا پڑھانا شروع کر دیتے ہیں

(باقی آئندہ)

قدرتی نظام اجتماع

(از جناب مولوی محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی استاد دار العلوم معینیہ)

(۲)

ان حدیثوں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ جماعت کی نماز کی بہت سخت تاکید ہوئی ہے اس راہ میں مشقت و دقت کی پرواہ نہ کرنا چاہئے، تاآنکہ بیمار وغیرہ جیسے معذورین کے لئے مسجد پہنچنا ممکن ہو تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ مسجد ہی آئے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ تارک جماعت کو جلا مارڈالتے اگر آپ کو عورتوں اور چھوٹے بچوں کا خیال نہ ہوتا (مشکوٰۃ باب الجماعۃ)

جو لوگ اذان سنتے ہیں پھر بھی جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضری نہیں دیتے ان کے متعلق تہدیداً یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی مگر یہ اس وقت جب اس کو کوئی عذر درپیش نہ ہو (ابوداؤد)

نظم جماعت میدان کارزار میں | یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام بجان ودل جماعت کی نماز پر فدا تھے جان سے بڑھ کر پیاری اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے، میدانِ کارزار گرم ہے اور گردنیں کٹ کٹ کر گر رہی ہیں مگر اس وقت بھی اس دینی شیرازہ بندی کے توڑنے کی اجازت نہیں ملتی ہے بلکہ وہاں بھی سب حتی الوسع ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ممکن حد تک نباہنے کی سعی کرتے ہیں